مصر ۱۸۹۸ - ۱۸۹۹ء میں

ایک ہندوستانی سیّاح کا سفرنامہ

(جناب ڈاکٹر عابد رضا صاحب بیدار)

ہندوستان کے مشہور عربی داں عبدالرحمٰن امرتسری نے انیسویں صدی کے آخری برس مصر، شام اور ترکی کی سیاحت میں گزارے۔ اور واپسی پر ۱۹۰۵ء میں اپنے تاثرات کو کتابی شکل دے کر ایک سفرنامہ شائع کیا۔ یہ سفرنامہ اردو میں بلادِ اسلامیہ کا پہلا سفرنامہ ہے جو کسی ہندوستانی نے لکھا ہے۔ خواجہ غلام الثقلین کا سفرنامہ (اشاعت ۱۹۱۲ء) اور شبلی کا سفرنامۂ روم و مصر و شام، (اشاعت ۱۹۱۴ء) اس کے بعد کی چیزیں ہیں۔ اس سفرنامہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ علمی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی ہر پہلو کا احاطہ کیا ہے اور کسی تفصیل کو نظرانداز نہیں ہونے دیا ہے۔ لیکن اس سے ایک خرابی بھی راہ پا گئی ہے کہ بعض بالکل فضول تفاصیل داخل ہو گئی ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت کو عرصہ گزر گیا ہے اور اب اس کی حیثیت نایاب جیسی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے بہت کم طلبا کو اس کا علم ہوگا۔ اس کی افادیت کے پیشِ نظر میں نے سفرنامہ کے اس حصہ کو جو مصر سے متعلق ہے، اور کتاب کے تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر محیط ہے، غیر ضروری تفاصیل کو چھوڑ کے مصنف ہی کی زبان میں، ضروری حصّوں کو ترتیب دے دیا ہے اور اس طرح آخر انیسویں صدی کے مصر کی ایک واضح تصویر سامنے آجاتی ہے۔

مصر کی تاریخ میں یہ زمانہ کئی اعتبار سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، ۱۸۹۸ - ۱۸۹۹ء تک مصر پر برطانوی تسلط، جس کی ابتدا ۱۸۸۲ء میں ہوئی تھی اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا۔ سوڈان میں محمد احمد المہدی کی قیادت میں جو انقلابی تحریک شروع ہوئی تھی اور جس نے ۱۶، ۱۷ سال تک برطانیا کو پریشان کئے رکھا، آخر اس سال شکست کھا گئی۔ سوڈان پر برطانیا کا قبضہ ہو گیا اور ۱۸۹۹ء کے

معاہدہ کی رو سے سوڈان مصری، برطانوی مشترکہ مقبوضہ قرار دے دیا گیا۔

یہی وہ زمانہ ہے جب مصر میں قومی تحریک کی چنگاری از سر نو بھڑکنے لگتی ہے۔ نئے خدیو مصر عباس حلمی کے انگریز دشمن رویہ سے شہ پاکر قوم پرست کافی دلیر ہونے لگے تھے۔ پھر نیا تعلیم یافتہ نوجوان گروپ تھا جو قوم پرستی کے جذبہ سے سرشار اپنے ملک کو غیر کے قبضہ میں دیکھ کر جھنجھلا اٹھتا تھا۔ انگریزی عہد میں اقتصادی اور انتظامی استحکام نے مصریوں میں ایک نئے درمیانی طبقہ کو جنم دیا تھا جو ملک کی باگ ڈور انگریز کے بجائے اپنے ہاتھ میں دیکھنا زیادہ پسند کرتا تھا۔ پریس کی آزادی اور اخبار و رسائل کی فراوانی نے قومی شعور کو بیدار کرنے میں خاصا حصہ لیا تھا۔ نئی قومی تحریک کی قیادت انھیں اخبار نویس قائدوں کے ہاتھ میں تھی۔ مصطفیٰ کامل اس تحریک کا قائد اعلیٰ تھا۔ اعتدال پسند گروپ کی قیادت المؤید کے اڈیٹر علی یوسف کے ہاتھ میں تھی۔ اور خود خدیو بھی انگریزوں سے نفرت کرتا تھا۔

ان قوم پرستوں کی منطق سیدھی سادی تھی۔ انگریزوں نے ابھی تک مصر پر باقاعدہ قبضہ کا اعلان نہیں کیا تھا (اور یہ اعلان وہ ۱۹۱۴ء کی جنگ چھڑنے تک نہیں کر پائے) سلطنت عثمانیہ ابھی تک قانونی طور سے مصر کی حاکم اعلیٰ تسلیم کی جاتی تھی اور خدیو مصر اس کا نمائندہ۔ مصر ابھی تک ترکی کو مقررہ خراج ادا کرتا تھا۔ مصر کا سارا اندرونی انتظامی ڈھانچہ جوں کا توں تھا اور برائے نام خدیو اور اس کے وزراء حکومت کرتے تھے۔ انگریزوں نے صرف اتنا کیا تھا کہ ہر محکمہ میں ایک انگریز مشیر لگا دیا تھا جو بظاہر مشورہ دینے پر مامور تھا لیکن اصلاً اس کا مشورہ حکم کی حیثیت رکھتا تھا، سب سے اوپر انگریزی ایجنٹ اور قونصل جنرل لارڈ کرومر تھا، جو خدیو کے لئے مشیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتا تھا، اس کا مشورہ ماننا خدیو کے لئے ناگزیر تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود بین الاقوامی حالات کے سبب انگریز کھل کر اپنے قبضہ کا اعلان کرنے کی سکت نہیں پاتے تھے اور اسی کو بنیاد بنا کر قوم پرست اپنی تحریک شروع کر رہے تھے۔

اس زمانہ کے سیاسی مصر کی تو کافی تصویریں مل جاتی ہیں۔ مصر کے مالک انگریزوں نے اس موضوع پر تصانیف کا ڈھیر لگا دیا ہے لیکن عوامی مصر کا ذکر مشکل سے ملتا ہے۔ یورپین سیاح بھی

اپنی سیاست میں مگن، اسی کے گن گاتے گاتے سفرنامے ختم کر دیتے ہیں۔ ایک ہندوستانی سیاح نے اس مصر کو قلم اور سیاہی کے رشتہ میں پرو کر محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے، ۱۸۹۸ - ۱۸۹۹ء کا مصر، جب انیسویں صدی دم توڑ رہی تھی اور بیسویں صدی جنم لینے کے لئے بے چین تھی :-

"۲۹ اپریل ۱۸۹۸ء کو میں جہاز پر سوار ہوا۔ چھ دن کے عرصہ میں عدن پہنچا جو بمبئی سے ۱۶۶۴ میل ہے۔ عدن سے روانہ ہو کر ۹ مئی کو سوئز پہنچا، یہ سفر ۱۳۱۰ میل کا تھا جو غالباً چار دن کے عرصہ میں طے ہوا۔ بمبئی سے سوئز تک ہر درجہ کی تفصیل یہ ہے :-

مسافر درجہ اول کے واسطے ۳۶۰ روپے، درجہ دوم کے واسطے ۲۲۰ روپے، درجہ سوم کے واسطے ۵۰ روپے [1]

شہر سوئز مصر کا مشرقی بندرگاہ ہے۔ زمانہ قدیم سے اس کو قلزم کہتے تھے، چنانچہ بحیرہ قلزم اسی کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت تقریباً بارہ ہزار آدمی اس میں سکونت رکھتے ہیں۔ سوئز پہنچے کے بعد مقامی خصوصیات میں سے جو چیزیں ایک مسافر کو حیرانی میں ڈال دیتی ہیں ان کا مختصر سا اندازہ ان حالات سے ہو سکتا ہے :

(۱) **سکّہ کی حالت** : اس جگہ بیشتر رواج مصری سکّہ کا ہے جو تین علیحدہ علیحدہ دھاتوں سے بنایا جاتا ہے۔ سب سے ادنیٰ سکّہ 'ملیم' ہے جو تانبے سے بنایا جاتا اور تین پائی کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے اوپر چاندی کا سکّہ 'قرش' ہے جو شکل میں دوقّی کے برابر اور ۲ آنے ۶ پائی کے مساوی ہوتا ہے اس سے اعلیٰ 'ریال' ہے جو روپیہ سے شکل اور حجم میں بڑا اور قیمت میں تین روپے دو آنے کا ہوتا ہے سب سے انتہائی قیمت کا سکّہ 'جنی' ہے جس کو مصری اشرفی کہنا چاہیئے، اس کی قیمت پندرہ روپے سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ ان تمام سکّوں میں ایک طرف کو ضربِ مصر اور سنہ ہجری منقش ہوتا ہے اور دوسری جانب کو سلطانِ روم کا طغرا۔[2]

---

[1] اب کارگو کا بھی اس سے زیادہ کرایہ لگتا ہے جو اس زمانہ میں درجہ اول کا تھا۔ اچھے بحری جہازوں کا کرایہ ۸۰۰ سے کم نہیں ہوتا۔ کارگو میں ۵۰۰ میں کام چل جاتا ہے اور معمولی جہازوں کا تھرڈ کلاس ۲۵۰ سے ۴۰۰ تک ہوتا ہے اس میں کھانے اور ناشتے کے اخراجات شامل ہیں۔ [2] سکے کے نام اب بھی یہی ہیں صرف بیچ کا ریال ختم ہو گیا ہے اور سلطانِ روم کے طغرے کا اب کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دس ملیم کا ایک قرش ہوتا ہے اور سو قرش کی ایک جنی (گنی) قرش ہمارے پرانے نو پیسوں کے

(۲) **اختلافِ زبان** : سوئز اور تمام بلادِ مصر میں عربی زبان بولی جاتی ہے مگر اس کا تلفظ اس قدر بگڑا ہوا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ان لوگوں سے بات چیت کرنے میں پریشان ہو جاتے ہیں، نہ ان کی بات سمجھتے ہیں نہ ان کو اپنا مطلب سمجھا سکتے ہیں۔ مثلاً ما اسمک کی جگہ اسمٰک ایہ (تمھارا کیا نام ہے)۔ الیٰ این تروح کی جگہ تروح فین (تم کہاں جاتے ہو)

(۳) **وقت کا اندازہ** : مصریوں میں شام سے طلوعِ آفتاب تک اور پھر صبح سے غروبِ آفتاب تک گھنٹے شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی مصری یہ کہے کہ ہم سے دو بجے دن کے ملاقات کرنا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آٹھ بجے صبح کے۔[1]

سوئز سے صبح و شام دو مرتبہ ریل قاہرہ جاتی ہے۔ میں ریل پر سوار ہو کر قاہرہ چلا اور سات گھنٹے میں وہاں پہنچا۔

میں ۱۰ مئی ۱۸۹۸ء کو قاہرہ پہنچا اور برابر ایک برس تک یہاں مقیم رہا۔ جب ہندوستان سے سفر کرنے کو تھا تو میرے بعض دوست مصر کی سخت گرمی سے مجھ کو ڈراتے تھے، لیکن یہاں پہنچنے اور کچھ عرصہ قاہرہ میں مسلسل قیام کرنے سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ رائے کلیۃً طور پر صحیح نہ تھی۔ اگرچہ یہ ملک منطقۂ حارہ کے قریب ہے مگر بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ شام جو اس کے مشرق اور شمال میں واقع ہیں اور نیز دریائے نیل جو مصر کی زمین کو جنوباً و شمالاً سیراب کرتا ہوا گزرتا ہے، ان کے باعث سے یہاں کی حرارت ناگوار نہیں ہوتی باوجودیکہ جون، جولائی اور اگست میں اس جگہ بارش نہیں ہوتی اور دن کو آفتاب کی حرارت بھی تیز ہوتی ہے مگر رات کو شمال مغربی ہواؤں کے چلنے سے خنکی ہو جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ اسی خنکی کے باعث اکثر اوقات موسم گرما میں رات کے وقت مکانوں کے اندر سوتے ہیں۔ قاہرہ سے شمالی شہروں کی ہوا موسم گرما میں بہت زیادہ لطیف ہوتی ہے اور اس آب و ہوا کی عمدگی کا نتیجہ ہے کہ پیداوارِ ارضی بہت عمدہ اور لوگ خوبصورت ہوتے ہیں۔ لیکن جو شہر جنوب میں ہیں ان میں گرمی کے آثار زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔

---

[1] وقت کا اندازہ اب بالکل ہندوستان جیسا ہے، کوئی اختلاف نہیں سوائے جغرافیائی فرق کے۔

مصر کا موسمِ سرما یورپ اور امریکا کے دولت مندوں کے واسطے بڑی نعمت ہے۔ ہر سال صدہا سیاح اپنے ملک کی سخت سردی کے باعث اور مصر کی عمدہ آب و ہوا کے باعث یہاں چلے آتے ہیں۔

سب سے آخری مردم شماری جو ۱۸۹۷ء میں ہوئی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں ۹۷ لاکھ ۳۴ ہزار باشندے آباد ہیں[1] جن میں ۸۹ لاکھ ۹۷ ہزار مسلمان، ۷ لاکھ ۳۰ ہزار عیسائی اور ۲۵ ہزار یہودی ہیں۔ اس مجموعی تعداد میں سے ایک لاکھ بارہ ہزار اجنبی ہیں جن کی تعداد لارڈ کرومر معتمد دولت انگریزی نے اپنی گزشتہ رپورٹ میں اس طرح بیان کی تھی: یونان، ۳۸ ہزار ایک سو چھتر۔ اٹلی، ۲۴ ہزار ۴ سو ۶۷۔ انگلستان ۱۹ ہزار ۵ سو ۵۷۔ فرانس، ۱۴ ہزار ایک سو ۵۵۔ آسٹریا، ۷ ہزار ایک سو ۲۳۔ روس، ۳ ہزار ایک سو ۹۳۔ جرمنی، ایک ہزار ۲ سو ۷۷۔ دیگر ممالک کے لوگ، ۴ ہزار ۵ سو ۵۵۔

شہر قاہرہ، دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر سوئز سے چھتر میل مغرب کو اور اسکندریہ سے ۱۱۲ میل جنوب مشرق کو واقع ہے۔ بنیادی پتھر کسی ایسی ساعتِ سعید میں رکھا گیا کہ ساڑھے نو سو برس گزرنے پر بھی اس کی عظمت و شوکت بدستور قایم ہے۔ سالِ گزشتہ کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی مع مضافات کوئی ۵ لاکھ ستر ہزار دریافت ہوئی ہے جس میں سے ۳۵ ہزار کے قریب ممالکِ غیر کے باشندے ہیں۔ قاہرہ کا کچھ حصہ میدان میں آباد ہے اور کچھ ایک پہاڑ کی سطح پر۔ سب سے پُر فضا مقام ازبکیہ ہے[2] جو پہلے ایک ویران جگہ تھی مگر اب وہاں ایک بہت خوبصورت باغ شہر کو رونق دے رہا ہے اس کے اندر تالاب اور باہر چاروں طرف سوداگروں کی بہت بارونق اور اعلیٰ درجہ کی دکانیں، ہوٹل، بنک، سرکاری دفاتر ہیں۔ شہر میں جس قدر عمدہ قہوہ خانے ہیں ازبکیہ ان کا ممتاز مقام مانا گیا ہے[3]۔ یورپین اور امریکن سیاحوں کے ٹھہرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے نفیس اور شاندار ہوٹل اسی موقع پر ہیں۔ سڑکوں پر گیس کی روشنی ہوتی ہے، آب رسانی کا انتظام نلکوں

---

[1] موجودہ آبادی ۲ ۱/۴ کروڑ سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ [2] [3] ازبکیہ اور خان خلیل کی اب بھی یہی پوزیشن ہے،

کے ذریعہ سے ہے ۔ شہر کے بڑے بڑے حصّوں میں برقی ٹریموے جاری ہے ۔ باوجود ان ترقیات کے شہر کی تنگ گلیوں اور غربا کے چھوٹے چھوٹے مکانوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی صلاحات کی گنجائش ہے ۔

عمارات اندرونِ شہر میں ایک مشرقی بازار خان خلیل کے نام سے مشہور ہے[1] اس میں ہندستان، ایران، شام، استنبول اور اور ملکوں کے سوداگر اپنے اپنے ملکوں کی بے نظیر دستکاریاں اور ایشیا کے عجائباتِ قدیمہ کی تجارت کرتے ہیں۔ اس بازار کے اندرونی حصّہ پر چھت پٹی ہوئی ہے، اس وجہ سے سورج کی تپش ان دوکانوں میں بھی داخل نہیں ہوتی ۔

مضافاتِ قاہرہ میں، بولاق دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر واقع ہے ۔ پیشتر یہ جزیرہ تھا مگر اب خشکی سے پیوند ہو کر نیل کا بندرگاہ بن گیا ہے ۔ مصر العتیقہ (مصر قدیم) بھی نیل کے مشرقی ساحل پر واقع ہے ۔ خلفائے فاطمیین کی فتوحات سے پہلے اس کو فسطاط کہتے تھے ۔ قبہ وہ مقام ہے جہاں خدیو معظم کے محلاتِ شاہی بنے ہوئے ہیں ۔ یہ شہر سے کچھ فاصلہ پر ہے ۔ عباسیہ کی آبادی فصیل شہر کے متصل اور دو میل لمبائی میں چلی گئی ہے ۔ یہ دونوں آبادیاں آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے مشہور ہیں ۔

یہاں کی مسجدیں بہت قدیم اور عمدہ بنی ہوئی ہیں ۔ اس وقت پرانی مسجدوں کی تعداد پانسو کے قریب ہے ۔ مسجدوں میں امام، موذن اور خادم جس قدر ہیں، ان سب کو محکمۂ اوقاف سے تنخواہیں ملتی ہیں ۔

قاہرہ میں اہلِ بیت اور بزرگانِ دین کے چند مزار ہیں، ان میں سب سے مقدس زیارت گاہ سید الشہدا امام حسین کی ہے ۔ مصر کے پہلے فاطمی خلیفہ کو جب ملک مصر اور شام پر تسلط ہوا تو وہ امام صاحب کا سر مبارک شام سے قاہرہ لے آیا اور اس جگہ بڑا عظیم الشان مقبرہ تعمیر کیا ۔ منجملہ مزاراتِ مقدسہ کے حضرت سیدہ نفیسہ بنت زید بن علی بن امام حسین کی قبر ہے ۔ مصر کے فاتح عمرو بن العاص کا مقبرہ بھی اسی جگہ ہے حضرت امام شافعی کے مقبرہ کا فخر اس سرزمین کو حاصل ہے جن کا مذہب تمام ملک مصر میں پھیلا ہوا ہے ۔

---

[1] تکیوں کا یہ سسٹم اب بھی جاری ہے

جو مسافر بے سر و سامان اس ملک میں آجاتے ہیں ان کے قیام کے واسطے متعدد تکیے موجود ہیں۔ تکیہ کا لفظ غالباً مسافر خانہ کے مرادف ہے۔ جہاں مسافر بے کرایہ اور بغیر کسی قسم کے اعتبار کے رہ سکتا ہے۔ ہر ملک کے واسطے علیحدہ علیحدہ تکیہ موجود ہے اور ہر تکیہ میں اسی ملک کا ایک شخص منتظم تکیہ ہوتا ہے جس کو مصریوں کی اصطلاح میں شیخ التکیہ کہتے ہیں۔ مجھے صرف ہندی تکیہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت دس بارہ مسافر اس میں موجود ہیں، دو تین بنگالی اور پوربی بیس بیس برس سے پڑے ہوتے ہیں۔ شیخ التکیہ کو ہر سال ضروری مصارف محکمۂ اوقاف سے ملتے ہیں۔ پہلے دن ان مسافروں کو روٹی بطور مہمان مفت ملتی ہے۔ کچھ قہوہ کا خرچ روزانہ ملتا ہے مگر روٹی پھر نہیں ملتی[1]۔

عام (مصریوں) کے مزاجوں میں عموماً اور اہل حرفہ کی طبیعتوں میں خصوصاً طمع، دروغ گوئی اور خود غرضی از حد ہے۔ متوسطین کی طبع میں یوں تو ظاہر داری بہت ہے اور بات بات میں خوش کن الفاظ استعمال کرتے ہیں مگر کچھ سرد مہری اور بے مروتی کی بو ان میں پائی جاتی ہے۔ امراء اور تعلیم یافتہ لوگوں کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ خاص خوبی ان میں یہ ہے کہ قومی معاملات میں مدد کرتے ہیں چنانچہ مصنفین کی محنت کی داد دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے خیال سے ان کی تصانیف کی کچھ جلدیں خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم کر دیتے ہیں۔ لائق اخبار نویسوں کی امداد ضروری سمجھتے ہیں۔

مصری کھانوں میں سب سے عمدہ اور لذیذ بھنا ہوا گوشت ہوتا ہے۔ پلاؤ نیم پخت اور صرف مصریوں کے مذاق کے موافق۔ روٹی تنور کی خمیری عموماً دو تین دن کی باسی جو اس ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے زود ہضم سمجھی جا سکتی ہے۔ سرکہ کے اچار کا اس ملک میں بہت رواج ہے۔

مصری عورتیں پردہ کرتی ہیں مگر کاروبار کے انصرام کے واسطے گھر کے باہر آتی جاتی ہیں، سودا سلف کے واسطے بازاروں میں پھرتی ہیں، دوکانوں کے اندر کرسیوں پر بیٹھ کر چیزیں پسند کرتی ہیں[2]۔

منگنی اور بیاہ کے جو طریقے اس ملک میں مروج ہیں ان میں اور ہندوستانی رسم و رواج میں بہت کچھ

---

[1] تکیوں کا یہ سسٹم اب بھی جاری ہے [2] مصری عورتیں پردہ کرتی ہیں مگر ....، اب یہ لکھنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہی۔

تفاوت ہے۔ منگنی کے ابتدائی مراتب کو لڑکے کی ماں خود طے کرتی ہے اور چند قریبی رشتہ دار عورتوں کو ہمراہ لے کر لڑکی کے گھر جاتی ہے۔ گفتگو کے بعد اگر فریقین باہم متفق ہوجائیں تو جو عورتیں باہر سے آئی تھیں خوشی کے نغمے گاتی ہوئی نکلتی ہیں جن کو 'زغروط' کہتے ہیں۔ اس زغروط سے محلے والوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ شادی قرار پاگئی۔ اور اگر لڑکی کی ماں کو شادی کرنے میں عذر ہوتا ہے تو وہ کہہ دیتی ہے کہ مردوں سے مشورہ کرنے کے بعد جواب دیا جائے گا اور اس حالت میں یہ عورتیں جیسے چپ چاپ آئی تھیں ویسے ہی خاموش واپس چلی جاتی ہیں۔ منگنی کی بات چیت جب عورتوں میں ہوجاتے تو پھر یہ سوال مردوں کے روبرو صرف پختگی کی غرض سے پیش ہوتا ہے۔ اس وقت سب سے اہم معاملہ تعینِ مہر کا ہوتا ہے۔ مہر جو کچھ قرار پائے اس کا نصف لڑکی کے باپ کے حوالے ضرور کردینا پڑتا ہے، اور یہ رقم اس قدر ہوتی ہے کہ جس کا نصف آسانی سے پیشگی ادا ہوسکے۔

شادی کے دن دولھا اپنے والدین اور رشتہ داروں اور دوستوں کے ہمراہ شام کے وقت دلھن کے گھر جاتا ہے آگے آگے باجا ہوتا ہے، پیچھے چند نوجوان براتیوں کے ہاتھ میں ایک ایک کاغذی فانوس موم بتی سے روشن، جو رات کے واسطے روشنی کا کام دیتا ہے۔ براتی اور دولھا شب کا کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ دوسرے دن دلھن کے والدین عروس کو بگھی میں سوار کرکے دولھا کے گھر بھیج دیتے ہیں اور جہیز کا سامان بھی ساتھ کردیتے ہیں۔

یہاں کی عورتیں محبِ الوطن ہوتی ہیں، غیر ملک میں جانا پسند نہیں کرتیں۔ طلاق کی رسم مصریوں میں کچھ معیوب نہیں سمجھی جاتی، اور نہ کسی مرد کو طلاق شدہ عورت سے نکاح کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ بہت تھوڑے اشخاص ہوں گے جن کو ایک ہی عورت سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ ملا ہو، اور کثرت سے ایسی عورتیں ہوں گی جنھیں ایک سے زیادہ مرتبہ نکاح کا اتفاق ہوا ہو۔ البتہ امراء ومعززین میں طلاق دینے کا دستور کم ہے۔

مصریوں کو زندگی بسر کرنے اور دوستوں سے میل ملاقات کے واسطے قہوہ خانہ سب سے عمدہ جگہ ہے۔ ایک دوست کی موجودگی میں جتنے احباب آئیں ان سب کے مصارف وہی ادا کرتا ہے جو پہلے

سے قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوتا ہے۔ دوستوں کی ملاقات اور باہمی تبادلۂ خیالات کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔ ان قہوہ خانوں میں صبح سے شام تک چہل پہل رہتی ہے۔ کچھ مدت پیشتر شرفا قہوہ خانوں میں جانا معیوب سمجھتے تھے، مگر اب یہاں کی نشست زندگی کی روزانہ ضروریات میں داخل ہو گئی ہے۔

مصر میں گدھے بڑے قیمتی ہوتے ہیں اور یہاں پانسو روپے کو بکتے ہیں ان پر نہایت پُرتکلف زین کسے جاتے ہیں اور ہر چوک میں صبح سے دس بجے رات تک موجود رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص گدھے پر سوار ہوتا ہے، تو گدھے والا ایک چابک گدھے کی پیٹھ پر لگاتا ہے اور گدھا دوڑنے لگتا ہے گدھے والا بھی ساتھ ساتھ دوڑتا جاتا ہے۔ یہ سواری مصر میں اس قدر مروج ہے کہ سوداگر اور شرفا گدھے پر چڑھنا کچھ معیوب نہیں سمجھتے، بلکہ عورتیں بھی بے تکلف سوار ہوتی ہیں۔ قاہرہ کے اکثر اہل علم اور مشائخ کے ہاں سواری کے واسطے گدھے موجود رہتے ہیں۔ میں نے دو، تین شخصوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بیان کیا کہ گھوڑے کے واسطے دانہ گھاس اور ایک آدمی ملنے دلنے کو درکار ہے جس کے مصارف کی میزان ساٹھ روپے ماہوار سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن گدھے کے واسطے سائیس کی کچھ ضرورت نہیں، تھوڑے سے جو اور تھوڑی سی گھاس اس کی گزران کے واسطے کافی ہے۔

قاہرہ میں علوم قدیمہ اور جدیدہ کی تعلیم ہندوستان کی طرح اب تک علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے۔ ازہر میں اس وقت دس ہزار طالب علم اور تین سو مدرس موجود ہیں، مدرس اول جو شیخ الازہر کہلاتے ہیں، پرنسپل کا درجہ رکھتے ہیں، ان کا مشاہرہ اس وقت ۱۲۰ پونڈ یا ایک ہزار آٹھ سو روپے ماہوار ہے۔ اس وقت اس جگہ پر شیخ حسونہ مقرر ہیں۔

ہندوستانی طلباء کے واسطے جامع ازہر میں فقط دو کمرے ہیں، ایک میں شیخ الرواق (وارڈن) رہتا ہے اور دوسرے میں طلباء اس وقت تین ہندستانی طالب علم رواق ہندی میں رہتے ہیں۔[۲۵]

سرکاری ملازمت میں اگرچہ (جدید) مدارس کے پاس شدوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور ہندستان کی طرح یہاں بھی لوگ روزگار کی خاطر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ لیکن عموماً باشندگانِ مصر کا میلانِ طبع

قدیم تعلیم کی جانب اب تک بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ مدارس ابتدائی (کے) کل امیدواروں کی تعداد (۹۸-۱۸۹۷ء) ۱۳۸۱ تھی جن میں ۲۷۰ پاس ہوئے۔ مصر میں اب تک اعلیٰ تعلیم کے واسطے کوئی کالج قایم نہیں ہوا۔

مصریوں نے علمی امور میں جہاں اور ترقیاں کی ہیں وہاں فن اخبار نویسی کو بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا ہے عامۂ خلائق میں اخبار بینی کا مذاق اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ معمولی قابلیت کے لوگ بھی اخبار کا مطالعہ ضروری سمجھتے ہیں۔ قریباً سب دوکاندار اخبار خریدتے ہیں، امراء کی قدر دانی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کسی گھر میں جتنے زیادہ آدمی لکھے پڑھے ہوں اتنے ہی زیادہ پرچے وہاں آتے ہیں اس وقت خاص قاہرہ میں پچاس کے قریب پرچے نکلتے ہیں[1] مگر میں ذیل میں صرف ان اخباروں ورسالوں کا ذکر کروں گا جن کے مطالعہ کا مجھے موقعہ ملا اور جن کے اڈیٹروں سے ملاقات کا اتفاق ہوتا رہا۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) **المویّد**: یہ اخبار مصری روزانہ اخباروں میں سب سے بڑا شاندار، باوقعت اور آزاد نگار مانا گیا ہے اور شیخ علی یوسف صاحب کے زیر اہتمام شائع ہوتا ہے اس میں ملک مصر اور مسلمانوں کی ضروریات پر نہایت پرزور اور مدبرانہ آرٹیکل لکھے جاتے ہیں۔ اور یہ کل مضامین تو اکثر شیخ موصوف کے قلم سے نکلے ہوتے ہیں لیکن فرانسیسی اخباروں کے ترجمہ کے واسطے مسعود آفندی اور انگریزی اخباروں کے ترجمہ کے واسطے حافظ آفندی ان کے دو لائق مددگار ہیں۔ یہ حافظ آفندی ہی کی توجہ و قابلیت کا نتیجہ ہے کہ مسلمانانِ ہندوستان کے قومی و مذہبی کوائف اور مختلف جلسوں کے حالات مصریوں کے مطالعہ میں آتے رہتے ہیں۔ یوں تو قدرت نے شیخ علی یوسف کے دماغ کو اخبار نویسی کے ساتھ پہلے ہی سے ایک خاص مناسبت رکھی تھی مگر شام، استنبول، فرانس و لندن کے سفروں سے ان کے خیالات میں بہت کچھ وسعت و روشنی پیدا ہو گئی ہے، اگر یہ شخص یورپ کی کسی زبان میں ید طولیٰ رکھتا تو ضرور اسے مشرقی دنیا میں یورپ کے مشہور اخبار نویسوں کے مساوی درجہ ملتا اس اخبار کی آزادی رفتار سے ایک زمانہ میں سلطان المعظم کسی قدر کبیدہ خاطر ہو گئے تھے اور بلاد ترکی میں اس کا داخل ہونا بند کر دیا تھا۔ مگر آخر کار اس کی صداقت اور استقلال نے

[1] ۱۸۹۸ء میں ہرٹ مین نے مصری صحافت پر ایک مبسوط کتاب لکھی اس میں اخباروں اور رسالوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ دی گئی ہے، ینگ کا بیان بھی اس کی تائید میں ہے (ینگ "مصر" صفحہ ۱۸۱) ان دو سو میں سے کچھ تو اسکندریہ سے نکلتے تھے باقی سب کے سب قاہرہ ہی میں مرکوز تھے۔

اور وقعت و احترام کو دیکھ کر پھر داخلہ کی اجازت دے دی اور شیخ کو سلطانی تمغہ بھی عطا کیا۔ اس اخبار کی روزانہ اشاعت آٹھ ہزار ہے اور سالانہ قیمت دو پونڈ یا تیس روپے ہے[1]

(۲) **اللواء:** اس کے مالک اور ایڈیٹر مصطفیٰ بک کامل ہیں جو کچھ عرصہ پیشتر مصریوں کے حقوق کی تائید کے واسطے ہر سال موسم گرما میں وائنا، برلن اور پیرس جاتے رہتے تھے اور فرانسیسی زبان میں دھواندھار لکچر دیا کرتے تھے۔ جنوری ۱۹۰۰ء سے انھوں نے اپنا روزانہ پرچہ اللواء کے نام سے جاری کر دیا۔ اس کی سالانہ قیمت دو پونڈ یا تیس روپے ہے۔[2]

(۳) **المقطّم:** اس اخبار کے ایڈیٹر اور مالک دو شخص یعقوب آفندی اور ڈاکٹر صروف ہیں جو شام کے رہنے والے ہیں اور قدمائے نصاریٰ کی نسل سے ہیں۔ عربی ان کی مادری زبان ہے انگریزی اور فرانسیسی بیروت کے مدرسۂ کلیہ (کالج) سے حاصل کی ہیں۔ اخبار نویسی میں ان کی قابلیت مسلّم ہے مگر المقطّم کی پالیسی انگریزی قبضہ کی تائید کے لحاظ سے اہل مصر کے نزدیک عموماً مسلمانوں کے خلاف اور خصوصاً مصریوں کے ملکی حقوق سے متجاوز ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مصری مسلمان اس اخبار سے متنفر ہیں۔ اس کی قیمت قریباً ۱½ پونڈ یا ساڑھے بائیس روپے ہے۔[3]

---

[1] المؤید، جو ۱۸۸۹ء میں جاری ہوا، اس وقت کا چوٹی کا روزنامہ تھا۔ جس کے گرد آہستہ آہستہ ایک سیاسی گروپ بن گیا جو ۱۹۰۷ء میں منظم سیاسی پارٹی کی شکل اختیار کر گیا، "حزب الاصلاح علی المبادی الدستوریہ" اس کا نام تھا۔ ۱۹۱۳ء میں علی یوسف کا انتقال ہو گیا (علی یوسف اور 'المؤید' کے بارے میں 'المنار' اکتوبر، نومبر ۱۹۱۳ء؛ — الصحافۃ والادب فی مصر ہرٹمین "مصر کی عربی صحافت" ص ۱۸۹۱؛ I: "آج کا مصر") [2] مصطفیٰ کامل کا اللواء شروع ہونے کے بعد سارے ایجیٹیشن کا مرکز 'اللواء' اور کامل بن گئے۔ اللواء بیسویں صدی کے ابتدائی چند سالوں کی پوری قومی تحریک کا نشان تھا۔ دس سال بعد جب یہ ختم ہوا تو قوم پرستوں نے ایک دوسرا اخبار 'العلم' نکال ڈالا اور پھر الشعب،

۱۹۰۷ء میں اللواء کے گرد جو گروپ جمع ہو گیا تھا وہ مصطفیٰ کامل کی قیادت میں منظم ہو گیا۔ اس سیاسی پارٹی کا نام 'الحزب الوطنی' قرار پایا اور اللواء اس سرکاری پارٹی کا ترجمان۔

اللواء اور کامل کے بارے میں مزید تفصیلات ہرٹمین۔ 'مصر کی عربی صحافت'۔ "عبدالرحمٰن الرافعی: مصطفیٰ کامل": حاجی عبداللہ براؤن: "بوناپارٹ مصر میں" — اور موجودہ مصری: "عبداللطیف حمزہ: الصحافۃ والادب فی مصر"، I: "آج کا مصر")

علمی رسالوں میں سب سے زیادہ مشہور المنار[1]، الہلال، المقتطف ہیں۔

مصر میں مفسد اور دریدہ دہن اخبار نویسوں کی موجودگی مندرجہ بالا اخباروں کی عظمت بڑھاتی ہے۔ چنانچہ مصر کی ایک مفسد پارٹی نے ایک اخبار صرف اسی غرض سے جاری کر رکھا ہے کہ اس میں سلطان المعظم اور خدیو مصر کے برخلاف مضمون شائع کئے جائیں۔ عدالت کی جواب دہی کے واسطے ایک نوجوان احمد فواد کو پھانس رکھا ہے جو اس کا اڈیٹر کہلاتا ہے۔

اس وقت مصر کے حکمراں خدیو عباس حلمی پاشا ہیں جو توفیق پاشا مرحوم کے خلف الرشید اور خاندانِ محمد علی کے ساتویں فرمانروا ہیں۔ یہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۸۹۲ء میں تخت نشین ہوئے[2]۔ آپ وقتاً فوقتاً ملک میں دورہ بھی کرتے ہیں جو رعایا کے اصلی حالات سے آگاہی حاصل کرنے کا اچھا ذریعہ ہے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں۔ جمعہ کی نماز مع حشم و خدم باری باری سے مختلف مسجدوں میں ادا کرتے ہیں۔ چوں کہ اس کا اعلان کئی روز پہلے ہوجاتا ہے اس لئے لوگ جوشِ عقیدت و انقیاد سے اسی مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ آپ کے مصارف کے واسطے ایک لاکھ پونڈ سالانہ یا سوا لاکھ روپے ماہوار ہے جس کے مصارف زیادہ تر خیرات و فائدہ رسانی خلائق پر مبنی ہوتے ہیں۔ خورونوش، لباس و دیگر اسباب راحت کے بارہ میں آپ سادگی پسند ہیں اور تکلفات و آرائش سے بالطبع متنفر اکثر سادے کپڑے زیب تن فرماتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴ سے المقطم کھلم کھلا مصر میں انگریزی قبضہ کا حامی تھا، ایڈیٹر شامی عیسائی تھے جو پہلے بیروت سے المقتطف نکالتے تھے۔ جب لبنان کی سرزمین ان پر تنگ ہوگئی تو مصر چلے آئے اور المقطم، اور المقتطف، یہاں سے شروع کیے۔ المقطم، المؤید سے چند ماہ پیشتر ۱۸۸۹ء ہی میں نکلنا شروع ہوا اور ۲۰، ۲۵ سال تک قوم پرستوں کے بدترین مخالفوں کا ساتھ دیتا رہا۔ آج کا مصر" د حمزہ : "الصحافۃ والادب" [1] المنار، عبدہ کے لائق شاگرد رشید رضا ۱۸۹۹ء سے ماہانہ نکالتے تھے، الہلال، جرجی زیدان کا مشہور اخبار نما رسالہ ہے اور المقتطف انھیں نمر اور صروف کا علمی رسالہ۔ [2] مصر کے اس حکمراں سلسلہ کا آغاز، جس کا خاتمہ شاہ فاروق پر ہوا محمد علی سے ہوتا ہے جو نپولین کے حملۂ مصر کے زمانے میں عثمانی فوج کے البانوی سپہ سالار کی حیثیت سے فرانسیسی فوجوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اور آخر میں حالات، سازگار دیکھ کر یہیں رہ پڑا ۱۸۰۵ء میں وہ مصر کا عثمانی گورنر بن گیا۔ ۱۸۴۹ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد عباس اول، سعید، اسمٰعیل اور توفیق ایک دوسرے کے جانشین ہوتے رہے۔ توفیق کے عہد میں برطانیہ نے مصر پر قبضہ کیا۔ ۱۸۹۲ء میں توفیق کے انتقال پر عباس علی ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔

کارکنانِ سلطنت کی یہ رائے ہے کہ ہر بالغ نوجوان کا اصلی فرض اپنے ملک کی حفاظت ہے۔ جو لڑکا بیس برس کی عمر کو پہنچ جائے اور تندرست صحیح المزاج ہو اسے فوج میں بھرتی کر لیتے ہیں۔ جس شخص کو فوجی خدمت ناپسند ہو وہ بیس پونڈ یا تین سو روپے معاوضہ دے کر بری ہو جاتا ہے۔ بعض مذہبی پیشواؤں کی اولاد اعزازی طور پر اس خدمت سے مُستثنیٰ کی گئی ہے۔ جو لڑکا تعلیم میں مشغول ہو وہ ہیڈ ماسٹر کی تصدیق پر ایک زمانہ معین تک مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے اور جس نے کسی دینی یا دنیاوی صیغہ کا اعلیٰ امتحان پاس کر لیا ہو وہ مدت العمر کے لئے الگ کر دیا جاتا ہے۔ بعض اہل الرائے کا خیال ہے کہ جامع ازہر میں جو طلبا، کی اتنی کثرت نظر آتی ہے اس کی وجہ کسی قدر فوجی خدمت کی سختی سے بھی علاقہ رکھتی ہے۔

فوجی خدمت سے مصر والے جو بے اعتنائی برتتے ہیں وہ ان واقعات سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے کہ بعض لڑکے انتخاب کے زمانہ میں طرح طرح کی دوائیں استعمال کرتے ہیں جو انھیں کمزور و ناتواں بنا دیں۔ بعض لڑکے اپنے ہاتھ پاؤں زخمی کر لیتے ہیں تاکہ ڈاکٹر انھیں فوجی خدمات کے ناقابل قرار دے[1]

جس قدر لڑکے فوجی خدمت کے لئے منتخب ہوتے ہیں ان میں سے ہر شخص کو ایک مقررہ تنخواہ ملتی رہتی ہے۔ چار برس کے بعد ان کو اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ فوجی ملازمت جاری رکھیں خواہ اپنے گھر واپس جا کر کسی اور کام میں مصروف ہو جائیں۔

اس وقت مصری فوج میں ۷۶ انگریز افسر ہیں، اور سپاہیوں کی تعداد ۱۵۱۵۳ ہے علاوہ ازیں تین ہزار آدمیوں کی ایک خالص فوج اور، مصر میں قائم کی گئی ہے جس کے تمام مصارف مصری گورنمنٹ کے ذمہ ہیں۔ اس کو جیش احتلال، یعنی فوجِ قابض کہتے ہیں۔ یہ فوج گویا انگریزی

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ آدھی صدی پہلے، عہد محمد علی میں بھی بالکل یہی حالات ملتے ہیں۔ محمد علی کو اپنی سلطنت وسیع تر کرنے کے لئے ہر روز نئی فوج کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس عہد کے سیاحوں کا بیان ہے کہ فوجی ملازمت سے بچنے کے لئے غریب مصری اپنی انگلیاں کاٹ لیتے تھے، اور بعض بعض تو لنگڑے لولے تک ہو جاتے تھے۔ مائیں اپنے بچوں کو اندھا کر دیتی تھیں یا ہاتھ پیر کاٹ دیتی تھیں۔ لوگ مردم شماری کرنے والوں کو رشوت دے دے کر اپنے نام مردم شماری سے خارج کرا دیتے تھے (جیمس آگسٹس سینٹ جان ص ۳۲۰-۲۱۔ میلی سفرنامہ ۲ ص ۶۳-۶۴)

قبضۂ مصر کی تائید کے لئے متعین اور صرف انگریزی فوائد کی محافظ ہے۔

انگریزی نگرانی کہنے کو تو صرف مالی نگرانی ہے، مگر عملی طور پر ہر محکمہ کے انتظام میں انگریز دخیل ہیں۔ ہر تجویز میں یہ شریک ہوتے ہیں، ہر کارروائی کی نگرانی کرتے ہیں، فوجی معاملات ان کے زیر اثر ہیں، خزانہ شاہی پر ان کا اقتدار ہے [1]

مصریوں کے انگریزی قبضہ کی نسبت خواہ کیسے ہی خیالات ہوں، لیکن انگریزوں کے آنے سے ملک کی حالت میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے اس کا اثر ایک سیاح کی طبیعت پر اس اعتبار سے بہت مسرت انگیز پڑتا ہے کہ انتظام کے ہر صیغہ اور ہر حصہ میں ترقی دکھائی دیتی ہے۔ اس حسن انتظام کا بڑا حصہ لارڈ کرومر برٹش ایجنٹ کی اعلیٰ لیاقت کا ممنون ہے۔ ان کا اس وقت مصر میں وہ رعب و اثر ہے کہ کبھی کسی غیر کو نصیب نہیں ہوا [2]۔

اس وقت مصر میں بیس قنصل موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم کی طرف سے بھی ایک معتمد ہمیشہ مصر میں مقیم رہتا ہے۔ بالفعل اس منصب جلیل پر غازی احمد مختار پاشا مقرر ہیں [3] اور بڑی شان و تمکنت سے ترکی اثر و اقتدار کو تھامے ہوئے ہیں۔

---

[1] ۱۸۸۲ء میں اعرابی پاشا کی قیادت میں مصریوں نے آزادی کے لئے جنگ لڑی اور ہار گئے، برطانوی قبضہ مکمل ہو گیا اس کے باوجود برطانیہ کھلے طور پر اس کا اعلان نہ کر سکا۔ برائے نام حاکمیت عثمانی خلیفہ ہی کی چلتی رہی جس کا قانونی نمائندہ خدیو مصر تھا۔ لیکن انتظامی امور میں سارا عمل دخل انگریزوں کا تھا۔ سارے اہم کلیدی عہدے انگریزوں کے سپرد تھے۔ ہر مصری وزیر کی نگرانی کے لئے ایک انگریز مشیر تھا اور اوپر چل کر خدیو کے لئے خود برطانوی ایجنٹ مشیر خاص کی حیثیت رکھتا تھا انگریز بظاہر بالکل الگ تھے لیکن وہ حکومت کرنے والوں پر براہ راست حکومت کرتے تھے۔ توجیہ سیدھی سادی تھی اس طرح وہ مصریوں کو ٹریننگ دے رہے تھے۔ (کرومر: مصر جدید حصہ دوم": کالون ص ۹۴ - ۵۰؛ سٹانی لو ص ۲۰۰ - ۲۰۱"؛ کوہن ص ۱۸۶) [2] لارڈ کرومر ۱۸۸۳ء سے ۱۹۰۷ء تک برطانوی ایجنٹ کے فرائض انجام دیتے رہے رعب و دبدبہ کا واقعی یہ عالم تھا کہ عام مصری کرومر کو مصر کا بادشاہ کہا کرتے تھے۔ [3] مختار پاشا مصر کی تاریخ میں اس وقت نمودار ہوئے جب حکومت عثمانیہ اور برطانیہ کے درمیان مصر سے برطانوی فوجوں کے انخلا کی بات چیت چلی اور ایک مرحلہ میں آ کر کافی امید ہو گئی کہ معاملات طے ہو گئے، یہ ۱۸۸۵ء اور ۱۸۸۸ء کے درمیانی عرصہ کی بات ہے۔ مختار پاشا عثمانی نمائندہ تھے۔ آخر میں ملکۂ انگلستان نے تو معاہدہ پر دستخط کر دئے سلطان عبدالحمید کچھ دوسری طاقتوں کے بہکاوے میں آ گئے اور بات ختم ہو گئی۔ لیکن ختم ہو کر بھی مختار پاشا کو اپنی یادگار چھوڑ گئی جو اسی زمانہ سے مصر میں ترکی کے ہائی کمشنر کی حیثیت سے قیام پذیر رہے۔" (ڈانسی: خدیویت کی کہانی)